© rasailojaraid.com

کے سرپرست ہیں؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت عطا فرمائی ہے، اور اس لیے بھی کہ وہی اپنا مال خرچ کرتے ہیں۔''

{8}: آدمی اپنی بیوی کی اصلاح کے لیے خود کوشش کرے:

فرمانِ الٰہی ہے: ﴿وَالّٰتِیْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِی الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَیْهِنَّ سَبِیْلًا ۝﴾ [النساء ٣٤] ''اور وہ خواتین جن سے ناچاقی کا تمہیں اندیشہ ہو جائے انہیں وعظ و نصیحت کرو۔ (اگر اس سے باز نہ آئے تو) انہیں اپنے بستروں سے الگ رکھو۔ (اگر اس سے بھی اصلاح نہ ہو جائے تو) انہیں مارو، پھر اگر وہ تمہاری بات مان لیں تو ان کے خلاف اور کوئی راہ اختیار نہ کرو۔'' جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے خطبے میں انسانی حقوق کا جامع اسلامی منشور پیش فرماتے ہوئے ''ان کو مارنے'' کے حکم قرآنی میں یہ اصول بیان فرمایا: ''فَاضْرِبُوْهُنَّ ضَرْبًا غَیْرَ مُبَرِّحٍ'' ''انہیں سخت نہ مارو'' یعنی جس سے چوٹ آئے یا خون بہے۔ [البخاري ترجمة الباب: باب ما يُكرَه مِن ضربِ النساءِ، صحيح مسلم ح:١٤٧(١٢١٨)]

{9}: مسئلہ حل نہ ہونے کی صورت میں دو قریبی رشتہ داروں کے ذریعے حل کرنے کی کوشش کا حکم:

فرمانِ الٰہی ہے: ﴿وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَیْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَآ اِنْ یُّرِیْدَآ اِصْلَاحًا یُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَیْنَهُمَا اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِیْمًا خَبِیْرًا ۝﴾ [النساء ٣٥] ''اور اگر تمہیں ان دونوں میں مخالفت کا خطرہ ہو جائے تو اس مرد کے خاندان سے ایک اور اس عورت کے خاندان سے ایک منصف بھیج دو، اگر وہ دونوں اصلاح کا ارادہ کر لیں تو اللہ تعالیٰ ان کے درمیان اتفاق پیدا فرمائے گا، یقیناً اللہ تعالیٰ کامل علم والا اور خوب خبر رکھنے والا ہے۔''

کیا کوئی عقل مند انسان ان دونوں قوانین میں سے ربانی قانون کو حقوقِ مرد و زن کا محافظ اور اسمبلی کے پاس کردہ قانون کو عائلی معاملات میں بیرونی مداخلت اور مردانہ حقوق پر ڈاکہ تسلیم نہیں کرے گا؟! اللہ کے لیے!! ''قانون بنانے'' کی غلطی سے توبہ کر کے ''محمد رسول اللہ ﷺ'' پر نازل شدہ قانونِ الٰہی کو نافذ کریں۔ یقین رکھیے کہ اسی میں اخروی نجات کے علاوہ ہمارے تمام دنیاوی مسائل کا حل بھی موجود ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

درس قرآن مجید

تراشِ رحمانی در فوائد قرآنی

ڈاکٹر اسماعیل محمد امین

فائدہ نمبر 4: ﴿وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّورَ﴾ طور کے بارے میں علماء کا اختلاف گزر چکا ہے۔ ایک قول کے مطابق سریانی زبان میں "طور" پہاڑ کو کہا جاتا ہے۔ علمائے مفسرین نے یہاں ایک مسئلے کی طرف اشارہ کیا ہے کہ قرآن مجید میں غیر عربی الفاظ بھی وارد ہوئے ہیں یا نہیں؟ جبکہ اللہ پاک نے اپنی اس کتاب کی صفت میں ﴿بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِينٍ﴾ اور ﴿إِنَّا جَعَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا﴾ بیان فرمایا ہے۔

امام سیوطیؒ نے اس مسئلے پر ایک کتاب "المهذَّبُ فيما وَقعَ في القرآنِ منَ المعرَّبِ" تصنیف کی ہے۔ اس کا خلاصہ الإتقانُ في علومِ القرآنِ کے النوع الثامن والثلاثون ۱/۱۳۶ میں اور امام قرطبیؒ نے اپنی تفسیر کے مقدمہ ۱/۶۸ میں ذکر کیا ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ باتفاق علمائے امت قرآن مجید میں عربی اسالیب سے ہٹ کر کوئی جملہ استعمال نہیں ہوا ہے۔ اسی طرح اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ عجمی اعلام (نام) آئے ہیں، جیسے کہ: نوح، اسرائیل، جبرئیل، عمران، ھود، ابراہیم وغیرہ

لیکن کیا قرآن مجید میں اعلام کے علاوہ غیر عربی الفاظ ملتے ہیں؟ اس میں علماء کا اختلاف ہے:

{1}: امام طبریؒ، امام شافعیؒ سمیت جمہور علمائے امت کے نزدیک قرآن مجید میں غیر عربی الفاظ استعمال نہیں ہوئے ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی صفت میں ﴿قُرْآنًا عَرَبِيًّا﴾ بیان فرمایا ہے۔ اگر غیر عربی الفاظ تسلیم کرلیں تو قرآن مجید خالص عربی نہیں رہے گا۔ لہٰذا قرآن مجید میں جو الفاظ دوسری لغات کی طرف منسوب ہیں، ان کے بارے میں یہ کہا جائے گا کہ یہ الفاظ دو یا اس سے زیادہ زبانوں میں اسی معانی کے لیے استعمال ہوئے ہیں۔

{2}: بعض علماء کا خیال ہے کہ عرب عاربہ کے عجمی اقوام کے ساتھ تجارت اور دیگر مختلف قسم کے تعلقات اور روابط قائم تھے۔ اس وجہ سے بعض غیر عربی الفاظ عربی زبان میں رائج ہو چکے تھے، جو "کلماتِ معرَّبہ" کہلاتے ہیں۔ اور عرب انہیں اپنے اشعار اور محاورات میں استعمال کرتے تھے۔ چونکہ قرآن مجید اس وقت کے رائج عربی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

زبان میں اترا ہے، اس لیے ان الفاظ کے وارد ہونے کی وجہ سے قرآن کے خالص عربی ہونے میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ کیونکہ یہ الفاظ عربی زبان میں داخل ہو چکے تھے۔ اگر کوئی عربی شخص ان میں سے کسی لفظ کے بارے میں نہیں جانتا ہو، تو اس کی مثال اسی طرح ہے کہ کوئی فصیح الکلام عربی کسی لفظ سے نا آشنا ہو، جیسا کہ ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو لفظ "فاطر" کا علم نہیں تھا، بعد میں انہوں نے کسی بدو شخص سے سیکھ لیا۔

{3}: بعض کی رائے یہ ہے کہ قرآن مجید میں غیر عربی الفاظ واقع ہوئے ہیں؛ لیکن فصیح عربی کے مقابلے میں غیر عربی الفاظ کی تعداد بہت کم اور نادر ہے۔ اس قلت اور ندرت کی وجہ سے قرآن مجید کی عربیت اور نبی کریم ﷺ کے عربی ہونے میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔ ان نادر الفاظ کی چند مثالیں درج ذیل ہیں:

نَشَأَ یعنی: قام من اللیلِ "وہ رات کو اٹھا" اسی سے ﴿ناشئة اللیل﴾ ہے۔ اور کِفْلَیْنِ بمعنی: ضِعْفَینِ یعنی "دوگنا" فرمانِ الٰہی ﴿یُؤْتِكُمْ كِفْلَیْنِ﴾ میں استعمال ہوا ہے۔ ﴿قَسْوَرَةٍ﴾ شیر کے لیے استعمال ہوا ہے۔ یہ الفاظ **حبشی زبان** سے عربی میں آئے ہیں۔

اسی طرح **ترکی زبان** سے ﴿غَسَّاق﴾ بمعنی: "بدبودار ٹھنڈا کو"۔ اور **رومی زبان** سے ﴿قِسْطَاس﴾ بمعنی: "میزان" استعمال ہوا ہے۔ **فارسی زبان** سے ﴿سِجِّیل﴾ بمعنی: پتھر اور مٹی "سنگِ گل" (گارے کا پتھر) اور **سریانی زبان** سے ﴿الطُّوْر﴾ "پہاڑ" کے لیے اور ﴿الیَمّ﴾ "سمندر" کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

امام سیوطیؒ کہتے ہیں: اس رائے کے راجح ہونے کی سب سے قوی دلیل یہ ہے کہ امام ابن جریر الطبریؒ نے جلیل القدر تابعی ابو میسرہؒ سے صحیح سند کے ساتھ روایت کی ہے: "قرآن مجید میں ہر لغت سے الفاظ موجود ہیں۔"

چونکہ قرآن مجید میں اولین اور آخرین کے علوم اور تمام چیزوں کے بارے میں خبر پائی جاتی ہے۔ اس کا تقاضا ہے کہ اس میں تمام زبانوں کی طرف اشارے بھی موجود ہوں۔ پھر ان زبانوں میں سے عربی زبان میں مستعمل آسان اور خفیف الفاظ کا انتخاب ہوا ہے۔ اور یہ بات قرآن مجید کی عظیم خصوصیات میں شامل ہے۔ اگرچہ قرآن مجید اسی قوم کی لغت میں نازل ہوا جن کی طرف اس کو نازل کیا گیا، یعنی عربی زبان میں۔ لیکن قرآن مجید میں اس وقت کے مروجہ عربی قبائل کے لغات بلکہ اس وقت کے مشہور اور رائج لغات میں سے بھی الفاظ شامل ہیں۔

{4} بعض نے کہا ہے کہ غیر عربی کلمات عربی کے اوزان کے مطابق نہیں ہیں، اس لیے یہ عربی کلام میں شامل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہیں ہو سکتے۔ امام قرطبیؒ نے اس کا جواب دیتے ہوئے کہا ہے کہ عربی زبان کو مخصوص اوزان میں محصور کرنا درست نہیں ہے: بلکہ بعض نے ان کلمات معربہ کے عربی زبان میں اوزان کو تلاش کر کے نحوی قواعد کے تحت منطبق کیا ہے۔ بلکہ یہ کلمات اصلاً غیرِ عربی ہونے کے باوجود اُس وقت کی عربی زبان میں استعمال ہو رہے تھے۔ اسی وجہ سے قرآن مجید "عربی مبین" اور ہمارے رسول ﷺ "عربی الاصل" ہیں۔

امام سیوطیؒ نے "الاتقان" میں ان تمام الفاظ کو جمع کیا ہے جن کے بارے میں یہ کہا گیا ہے کہ وہ اصلاً غیر عربی تھے، پھر عربی میں شامل ہو گئے۔ [انظر: الإتقان ۱/۳۹۳-۳۹۸، مقدمة تفسير القرطبيؒ ۱/۶۸-۶۹]

فائدہ نمبر 5: جب اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے بنی اسرائیل کے سروں کے اوپر طور پہاڑ کو لا کر کھڑا کر دیا تو انہوں نے سجدہ کیا، لیکن سجدے میں وہ گوشۂ چشم سے اوپر پہاڑ کی طرف دیکھ رہے تھے اور دوسری جانب کو زمین پر رکھ لیا تھا۔ یعنی ٹیڑھے ہو کر سجدہ کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس وقت ان کے سجدے کو قبول فرمایا اور ان پر رحم فرمایا، تو انہوں نے اسی سجدے کے طریقے کو اپنایا۔ یہود ابھی تک اسی طرح سجدہ کرتے ہیں۔ [القرطبيؒ، ابن كثيرؒ، ابن العثيمينؒ]

فائدہ نمبر 6: تمام امتوں پر واجب تھا کہ وہ اپنے نبی پر نازل شدہ کتاب پر دل سے ایمان لائیں اور اسے غور وفکر کے ساتھ پڑھ کر اس پر عمل کریں اور اپنی اجتماعی اور انفرادی زندگیوں میں اسے نافذ کریں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو حکم دیا: ﴿خُذُوا مَآ اٰتَیۡنٰکُمۡ بِقُوَّةٍ وَّاذۡکُرُوۡا مَا فِیۡهِ لَعَلَّکُمۡ تَتَّقُوۡنَ ۝﴾

لیکن بنی اسرائیل نے اپنی کتاب پر عمل کرنا تو کجا، اس میں تحریف کرنے کی مذموم جرأتِ رندانہ کی۔ یہ تو سابقہ امتوں کی حالت تھی۔ لیکن انتہائی افسوس کی بات ہے کہ ہماری امت کے اکثر مسلمانوں کی بھی یہی روش اور عادت بن گئی ہے۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے پیش گوئی فرمائی تھی: "لَتَتَّبِعُنَّ سَنَنَ مَن كان قبلَكُم......" [البخاري ۷۳۲۰، مسلم ۲۶۶۹] "تم ضرور اپنے سے پہلے والوں (یہود ونصاریٰ) کی روش اختیار کر لو گے۔"

مسلمانوں میں سے اکثر لوگ قرآن مجید کی تلاوت ہی نہیں کرتے۔ جو لوگ تلاوت کرتے ہیں، ان میں سے شاذ ہی اس کے معانی اور مفاہیم کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے۔ اور جو سمجھ کر پڑھنے کی کوشش کرتے ہیں، ان میں سے اکثر فہم قرآن میں اصحاب کرام ﷺ کے منہج سے واقفیت نہیں رکھتے۔

قرآن مجید کی تلاوت اگرچہ مستقل عبادت ہے؛ لیکن قرآن مجید کا اصل مقصدِ نزول اس پر تدبر اور تأمل کرنا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور نصیحت حاصل کرتے ہوئے اس پر عمل پیرا ہونا ہے۔ جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے: ﴿كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَیْكَ مُبٰرَكٌ لِّیَدَّبَّرُوْٓا اٰیٰتِهٖ وَلِیَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝﴾ [صٓ ۲۹] قرآن مجید پر غور وفکر نہ کرنے پر اللہ تعالیٰ نے ڈانٹ کی ہے: ﴿اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا ۝﴾ [محمد ۲٤] "کیا یہ قرآن مجید میں تأمل نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر تالے لگے ہوئے ہیں؟!" ﴿اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَیْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾ [الأعراف ۳] "تم لوگ اس کی اتباع کرو جو تمہارے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے۔"

قرآن مجید کی اتباع کے بارے میں اتنے واضح دلائل کے باوجود مسلمانوں کی کچھ جماعتیں قرآن میں تحریف معنوی کرنے میں مصروف عمل ہیں۔ اور دوسروں میں سے بھی اکثر لوگ قرآن نہیں پڑھتے۔ اگر پڑھیں بھی تو اسے ترجمہ کے ساتھ پڑھ کر تأمل کرنے کی کوشش نہیں کرتے۔ لوگ جہالت، حب اقتدار، مادہ پرستی اور خواہشات پرستی کی وجہ سے قرآن پاک کے وجود سے مستفید نہیں ہو رہے ہیں۔ حضرت جبیر بن نفیر رضی اللہ عنہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ: "ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھے، آپ نے آسمان کی طرف نظر اٹھائی پھر ارشاد فرمایا: "یہ وہ وقت ہے جس میں لوگوں سے علم سلب کیا جائے گا، یہاں تک کہ لوگ اسے حاصل کرنے کی قدرت نہیں رکھیں گے۔" زیاد بن لبید انصاری رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! ہم سے علم کیسے اٹھالیا جائے گا، جبکہ ہم قرآن مجید پڑھتے ہیں اور اپنی عورتوں اور بچوں کو پڑھاتے ہیں!! (یعنی یہی سلسلہ تعلیم جاری رہے گا۔) تو آپ نے فرمایا: "تیری ماں تجھے گم پائے، اے زیاد! میں تو تجھے مدینہ کے عقلمندوں میں شمار کرتا تھا۔ دیکھ! یہود ونصاریٰ کے پاس تورات اور انجیل موجود ہے یا نہیں؟ کیا اس کا وجود انہیں فائدہ دیتا ہے؟" یعنی اسی طرح بعد میں آنے والے جب قرآن مجید میں تأمل وتدبر کرنے اور اس پر عمل کرنے سے گریز کریں گے، تو قرآن کا وجود انہیں قطعاً مفید نہیں ہوگا۔ حضرت جبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: بعد میں میری ملاقات حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ سے ہوئی تو میں نے حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے سنی ہوئی حدیث انہیں بیان کر دی۔ حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے درست کہا ہے، اگر آپ چاہیں تو میں آپ کو بیان کروں گا کہ لوگوں سے سب سے پہلے اٹھائے جانے والا علم "خشوع" ہے۔ عنقریب آپ کسی مسجد میں داخل ہوں گے تو وہاں خشوع وخضوع کے ساتھ نماز پڑھنے والا کوئی بھی آدمی نہیں ملے گا۔

[الترمذي ح: ۲٦۵۳ وصححه الألباني، الدارمي باب من قال: العلم الخشية وتقوى الله - والغرضي]

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس حدیث شریف میں ایک بات قابل غور ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے سر کو آسمان کی طرف اٹھا کر فرمایا: ''یہ علم دین اٹھائے جانے کا وقت ہے۔'' نبی کریم ﷺ کے زمانے میں علم کو اٹھائے جانے میں جو اشکال پیدا ہوتا ہے، اس کے جواب میں امام طیبیؒ کہتے ہیں: عین ممکن ہے کہ جب آسمان کی طرف نظر اٹھائی تو آپ ﷺ کو جلدی وفات کی اطلاع ملی، جسے آپ نے ''علم کے اٹھائے جانے'' سے تعبیر فرمائی۔ [تحفة الأحوذي ٧/٤٤٨]

امام طحاویؒ کہتے ہیں: حدیث کے سیاق میں یہ اشارہ موجود ہے کہ علم کے اٹھنے کا وقت لازماً آپ ﷺ اور عہد صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد کا دور ہے؛ کیونکہ حدیث میں یہود ونصاریٰ میں علم اٹھائے جانے کا تذکرہ بھی ہے۔ ان کے انبیائے کرام کے زمانوں میں یہود ونصاریٰ گمراہ نہیں ہوئے تھے۔ ان کے ہاں علم وحی موجود اور محفوظ تھا۔ اور یہ عین ممکن ہے کہ جب نبی کریم ﷺ نے آسمان کی طرف سر اٹھایا تو آپ کو بعد میں آنے والے اس زمانے کے بارے میں خبر دی گئی ہو، جس میں علم کو اٹھایا جائے گا۔ [شرح مشكل الآثار ١/٢٨٠]

اس کی تائید مختلف احادیث نبویہ میں آئی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے قیامت کی علامات میں ''علم کا اٹھایا جانا اور جہالت کا پھیل جانا'' شمار فرمایا ہے۔

فائدہ نمبر 7: ﴿لعلكم تتقونَ﴾ اللہ تعالیٰ نے حصولِ تقویٰ کے دو اسباب کی طرف اشارہ فرمایا:

(۱): بنی اسرائیل سے کہا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے کیے ہوئے عہد و پیمان کو اگر تم پورا کریں، اور اس کے تقاضوں کے مطابق زندگی کے شب وروز بسر کریں، تو یہی ''تقویٰ'' ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی اطاعت مزید اطاعتِ الٰہی کی توفیق وہدایت دیتی ہے۔ کیونکہ اللہ کی اطاعت سے دل ودماغ کو لذت وسرور حاصل ہوتا ہے۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے روزے کا ثمرہ بھی تقویٰ قرار دیا ہے۔ ﴿كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ...... لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝﴾ [البقرة ١٨٣] اسی طرح گناہوں سے انسان اور اس کے رب کے درمیان فاصلہ بڑھ جاتا ہے، تو اس کے دل کی سختی میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ معصیت سے دلوں میں وحشت پیدا ہو جاتی ہے، جو مزید گناہوں کی طرف بڑھنے کی دعوت دیتی ہے۔ یہ بات فرمانِ الٰہی ﴿ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَانُوا يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ النَّبِيِّينَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوا يَعْتَدُونَ ۝﴾ [البقرة ٦١] کی تفسیر میں گزر چکی ہے۔

(۲): اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ کتابوں پر ایمان لانا، اور ان پر عمل پیرا ہونا بھی تقویٰ اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پرہیزگاری کا منبع ہے۔[ابن العثیمینؒ]

تمام سابقہ آسمانی کتابیں، قرآن مجید کے نزول سے منسوخ ہوچکی ہیں۔اب تقویٰ صرف قرآن مجید پر عمل کرنے سے ہی حاصل ہوسکتا ہے۔

فائدہ نمبر۵: ﴿وَاِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَکُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَکُمُ الطُّوْرَ﴾ حافظ ابن جریرؒ نے بعض علماء کا قول نقل کیا ہے کہ اگر بنی اسرائیل پہلے ہی ایمان لاتے تو ان سے پختہ عہد نہ لیا جاتا۔حافظ ابن عطیہؒ کہتے ہیں: راجح قول یہ ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے سجدہ کرتے وقت ان کے دلوں میں ایمان ڈال دیا تھا۔ان کے اوپر طور پہاڑ کو اٹھا کر انہیں ایمان لانے پر مجبور نہیں کیا تھا۔امام شوکانیؒ ان کی تردید کرتے ہوئے کہتے ہیں: یہ قول انتہائی نا قابل اعتبار ہے؛ کیونکہ ہر عاقل جانتا ہے کہ مذکورہ صورت سے بڑھ کر "اکراہ" کا کوئی تصور نہیں ہوسکتا۔اللہ تعالیٰ نے ان کے اوپر کوہِ طور کو کھڑا کر کے انہیں ایمان لانے کا حکم دیا، پھر اسی زبردستی قبول کردہ ایمان پر ان سے عذاب کو ٹال دیا۔

یہاں سوال پیدا ہوسکتا ہے کہ ﴿لَآ اِکْرَاهَ فِی الدِّیْنِ قَدْ تَّبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ﴾ [البقرة ٢٥٦] کے مطابق "دین" میں جبر نہیں۔اب اس موقع پر بنی اسرائیل کے ساتھ یہ سلوک کیوں کیا گیا؟!

اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت کریمہ میں "کافر" کو اسلام قبول کرانے میں زبردستی کرنے کی نفی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حق کو واضح فرما دیا ہے، اور انسان کو اختیار دیا ہے کہ اپنی مرضی سے اسلام قبول کرے یا گمراہی پر قائم رہے۔ اگر کوئی کافر جزیہ دیتے ہوئے اسلامی سلطنت میں پرامن زندگی گزارنا چاہے، تو اس کی عام اجازت ہے۔ ہاں کوئی اپنی مرضی سے دین اسلام قبول کرے، پھر کسی وجہ سے مرتد ہونا چاہے تو اسے مرتد ہونے یا اسلامی حکومت سے بغاوت کرنے کی اجازت نہیں ہوگی۔ کیونکہ اس کی اجازت دی جائے تو دین کی نظریاتی اساس منہدم ہو سکتی ہے، فکری انتشار اور انارکی پھیل سکتی ہے۔ جو اسلامی معاشرے کے امن اور ملکی استحکام کو خطرے میں ڈال سکتی ہے۔اسی لیے "انسانی حقوق" کے نام پر قتل، چوری، ڈاکہ اور زنا وغیرہ جرائم کی اجازت نہیں دی جاسکتی؛ اسی طرح "آزادئ رائے" کے نام پر ایک اسلامی ملک میں نظریاتی بغاوت یعنی ارتداد کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔یہ دین میں "جبر واکراہ" نہیں ہے، بلکہ مرتد کا قتل اسی طرح انصاف ہے جس طرح قتل وغارت گری اور اخلاقی جرائم کا ارتکاب کرنے والوں کو سخت سزائیں دینا عین انصاف ہے۔ایک کا مقصد ملک کا نظریاتی تحفظ اور دوسرے کا مقصد

© rasailojaraid.com